فارسی و اُردو کی چند کمیاب کتابیں

کتاب خانۂ دانش گاہ دہلی میں

از

(جناب نثار احمد صاحب فاروقی)

(۳)

مقدمہ: سفرنامہ حکیم ناصر خسرو علوی بلخی

['برہان' کی گذشتہ اشاعت میں سفرنامہ ناصر خسرو کے اس مطبوعہ نسخے کا تفصیلی تعارف کرایا گیا تھا، جسے ۱۸۸۲ء میں مولانا الطاف حسین حالی مرحوم نے مرتب کر کے اپنے مقدمے کے ساتھ شائع کیا تھا۔ اس قسط میں ان کے مقدمے کا اُردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو اُردو داں حلقے کے سامنے پہلی بار آرہا ہے۔ مولانا حالی کی تعلیم اگرچہ باضابطہ نہیں ہوئی تھی لیکن وہ اُردو، فارسی اور عربی میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ اُن کی اُردو نثر میں سادگی اور تاثیر کی خصوصیت ایسی تھی جسے اُن کے ہم عصروں میں کوئی نہیں پہنچتا۔ اُن کے مقلدوں میں بابائے اردو مولوی عبدالحق اور مولانا وحیدالدین سلیم پانی پتی بھی سادہ نثر لکھنے میں کمال رکھتے ہیں۔ عربی میں اُن کے دو ایک خطوط، مجموعۂ مکاتیب میں شامل ہیں اُنھیں دیکھ کر مولانا کی عربی دانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ فارسی عبارت میں بھی سادگی اور بے ساختگی موجود ہے اُن کی عبارت "منشیانہ" نہیں ہے نہ اس میں "محمد شاہی روش" ملتی ہے، ایسی فارسی ہے جسے اگرچہ اہلِ ایران کی تحریروں کے سامنے تو پیش نہیں کیا جاسکتا، لیکن ہندستانی فارسی دانوں میں شاید ہی کوئی حالی کا ہم عصر اتنی پاکیزہ فارسی لکھنے پر قادر رہا ہو۔ یہاں اُن کی فارسی عبارت کا تھوڑا سا اقتباس دیا جاتا ہے اس کے بعد پورے "مقدمہ" کا اُردو ترجمہ۔ ترجمے میں کوشش کی گئی ہے کہ ترجمۂ لفظی نہ ہو، اصل کا مطلب

پوری طرح ادا ہو جائے اور بس۔

پہلے فارسی عبارت کا ایک ٹکڑا ملاحظہ فرمائیے:

"راس و رئیس مدعیانِ حکیم یکے مفتی خراسان بود حنفی المذہب و دیگر حاکم بلخ کہ در اکثرے از اشعار دے روی شکایت با ایشان است و قصائد بسیار کہ دریں خصوص گفتہ است دلالت دارد بر اینکہ تا آخر عمر از دوری وطن و جور اہالی وطن می نالید و شب و روز فریاد و زاری می کرد۔"

ترجمے میں ایک التزام یہ کیا گیا ہے کہ جہاں کسی فارسی عبارت کا اقتباس ہے وہ محولہ کتاب کے اصل الفاظ میں نقل کر دیا جائے۔ اُس کا ترجمہ ساتھ دے دیا گیا ہے۔ نثار احمد فاروقی]

سیرتِ حکیم ناصر خسرو۔ صاحبِ سفرنامہ رقم زدۂ کلکِ گہر سلک جناب مولوی خواجہ محمد الطاف حسین صاحب انصاری پانی پتی مقیم دہلی متخلص بہ حالی سلمہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ و نصلّی علیٰ نبیہ الکریم

اس سفرنامے کا مصنف حکیم ابو المعین ناصر بن خسرو علوی خطۂ خراسان کے قدیم شاعروں میں سے ہے جو شاعری کے علاوہ علم و حکمت اور فضل و دانش میں شہرۂ روزگار تھا۔ مورخوں اور تذکرہ نگاروں نے اس کا حال لکھنے میں تحقیق و تلاش سے کام نہیں لیا۔ صحیح اور غلط روایتوں میں تمیز نہ کر کے انھوں نے اس کے حالات پر اور پردے گرا دیئے ہیں۔ چناں چہ اگر اُس کا یہ سفرنامہ اور دیوان کے بعض اجزا ہاتھ نہ لگتے تو اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ ہم بھی اُن تذکرہ نگاروں کا اتباع کریں اور صحیح راستے سے دور جا پڑیں۔

اس معاملے میں جتنا غور کیا جائے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حکیم کے معاصروں میں سے کسی نے اُس کا حال لکھنے کی تکلیف نہیں کی اور بہت برسوں تک اُس کے حالات ضبطِ تحریر میں نہ آسکے۔ بظاہر ان بے اعتنائیوں کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں شیعوں اور سنیوں کے علما و فقہا، جن کا آگے تذکرہ کیا جائے گا، اُسے فرقۂ اسماعیلیہ[1] کا پیرو سمجھتے تھے۔ اِن اسماعیلیوں کا لقب ملاحدہ

[1] اسماعیلیہ ایک امامیہ گروہ ہے جو اسماعیل بن جعفر صادق کو ان کے بعد امام برحق جانتا اور مانتا ہے۔ اُن کا عقیدہ ہے

اور باطنیہ تھا۔

اس لئے غالب امکان ہے کہ زمانہ دراز تک دونوں فریقوں میں سے کسی نے اُس نفرت کی بنا پر جو اختلافِ مسلک کے تعصب سے پیدا ہوتی ہے۔ حکیم موصوف کا ترجمہ لکھنے کی طرف توجہ نہیں کی لیکن جب بعد کے زمانے میں حکیم کا دیوان اشعار اور دوسری تصانیف تمام ممالک میں پھیل گئیں اور اس کے معتقدوں کا گروہ کوہستان بدخشاں کے اطراف سے، جہاں حکیم موصوف کا مرقد ہے، جوق در جوق نکلنے لگا تو سب تذکرہ نگار اُس کے حالات کی تحقیق اور اُس کی تصانیف کے مطالعہ کی طرف متوجہ ہوئے، لیکن ہوا یہ کہ جو کچھ رطب و یابس اُنھیں ملا، یا انھوں نے عام لوگوں سے جو افواہ سنی اسے بے تکلف اپنی کتابوں میں داخل کرلیا۔ اور وہ افسانے بھی جو حکیم کے معتقدوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر حکیم سے منسوب کر دئے تھے حکیم ہی کے اقوال سمجھ کر اُس کی تصانیف سے رجوع کرکے کھرے کھوٹے کی تمیز کئے بغیر نقل کر دئے۔ اس طرح حکیم کے حالات پر گہرے پردے پڑتے چلے گئے اور صحیح واقعات کا کھنگالنا بہت مشکل ہوگیا۔ اگرچہ اب اس زمانے میں چارلس شیفر نامی ایک یورپی فاضل نے فرانسیسی زبان میں ناصر خسرو کے حالات شرح و بسط سے لکھے ہیں لیکن فرنچ زبان سے واقف نہ ہونے کے باعث ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس تحقیق سے کہاں تک عہدہ برآ ہوسکا ہے اور کہاں تک اس نے دادِ تنقید[1] دی ہے۔ لہذا اس کے حالات لکھتے وقت ہم صرف انھیں اقوال و روایات سے استفادہ کریں گے جو معقول اور قابلِ یقین ہیں اور باقی اس کے اپنے کلام سے استنباط کرکے لکھا جائے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کہ امام جعفر صادق نے منصب امامت انھیں تفویض کیا تھا اور اسماعیل کی ماں کے ساتھ کسی دوسری عورت یا لونڈی کو جمع نہیں کیا تھا جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رض کے ہوتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رض کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا۔ نیز یہ لوگ اسماعیل کو خاتم الائمہ کہتے ہیں اور ان کے بعد ہونے والے چھ اماموں کو نہیں مانتے۔ کہتے ہیں کہ امامت کا مدار سات ائمہ پر ہے جس طرح سات دن، سات آسمان اور سات ستارے ہیں۔ حالی

[1] اصل جملہ ہے: "و تا کجا دادِ تنقید دادہ است"، اس پر نشان لگا کر حاشیے میں مولانا حالی نے لکھا ہے "تنقید یعنی نقادی" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۸۳ء تک یہ لفظ نقد و انتقاد کے معنوں میں استعمال ہونے لگا تھا۔ لیکن اُردو کی کسی . . . . اتنی قدیم عبارت میں اس کی سند ہماری نظر سے نہیں گذری۔ (فاروقی)

سالِ ولادت | سب سے پہلا اختلاف اس کے سالِ ولادت کے تعین میں ہے۔ حمداللہ مستوفی قزوینی نے تاریخ گزیدہ میں ۳۸۵ھ ہجری نبوی لکھا ہے اور مصنف دبستان المذاہب نے ۳۵۹ھ۔ صاحب حبیب السیر ۳۵۸ھ بتاتا ہے لیکن یہ تینوں اقوال غلط ہیں۔ صحیح ترین قول وہ ہے جو رضا قلی خاں نے مجمع الفصحا[1] میں نقل کیا ہے یعنی ۳۹۴ھ۔ چارلس شیفر نے اپنے نوشتہ حالات میں یہی قولِ آخر اختیار کیا ہے اور خود حکیم کے قول سے استناد کیا ہے وہ اپنے بعض قصائد میں لکھتا ہے۔

بگذشت ز ہجرت پس سی صد نود و چار   بنہاد مرا مادرِ بر مرکز اغبر

مولد | نیز بعض تذکرہ نویسوں نے حکیم کی اصل اصفہان سے بتائی ہے لیکن کوئی قرینِ اعتبار دلیل نہیں دی لیکن چند قرائن کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ اسے اصفہان یا عراق عجم[2] اور پارس کے دوسرے شہروں سے کوئی پشتینی تعلق نہیں رہا اس کے اسلاف اور بزرگ مامون الرشید کے عہد حکومت سے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ امام علی ابن موسیٰ الرضا کے زمانے سے جو ناصر خسرو کے آٹھ پشت اوپر دادا ہوتے تھے، ہمیشہ خراسان میں رہے اور بلخ شہر جو ایک زمانہ دراز تک ولایتِ خراسان کا دار السلطنت رہا ہے، یہی حکیم ناصر خسرو کا مولد ہوگا۔ جیسا کہ خود حکیم نے کہا ہے ؎

اے بادِ عصر گر گذری بر دیار بلخ   بگذر بخانۂ من و آں جا بجوی حال

اور اسی طرح اپنے بہت سے اشعار میں خراسان اور اہلِ خراسان سے جدائی پر افسوس کا اظہار کیا ہے جیسا کہ ہر شخص کو وطن سے دور ہوتے اور غربت کے عالم میں ملال ہوتا ہے۔ سفر نامے میں بھی ایسی متعدد عبارتیں ہیں جو اس امر پر وضاحت کی روشنی ڈالتی ہیں۔

تعلیم | بہر حال حکیم کا سلسلۂ نسب سات واسطوں سے امام ہمام علی بن موسیٰ الرضا علیہ التحیۃ والثنا پر منتہی ہوتا ہے جو مشہدِ مقدس میں مدفون اور شاہِ خراسان کے لقب سے معروف ہیں۔ کہا جاتا ہے

---

[1] یہ تذکرہ امیر الشعرا رضا قلی خاں متخلص بہ ہدایت کی تالیف ہے جو ۱۹۰۵ء میں دار السلطنت تہران میں شائع ہوا اور اب ہندستان میں پہنچا ہے۔ حالی

[2] عراق عجم اور پارس ممالک ایران کی دو ولایتوں (صوبوں) کے نام ہیں۔ مجازاً تمام مملکتِ ایران کو پارس کہا جاتا ہے۔ حالی۔

کہ حکیم نو سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید سے مشرف ہوا اس کے بعد سالہا سال تک معقول و منقول کے علوم مروجہ و متعارفہ کی تحصیل میں مشغول رہا اور علوم غریبہ و فنون متنوعہ مثل نجوم و رمل اور دوسرے تمام فنون جو اس عہد میں کمال کی سند سمجھے جاتے تھے اور اُن کی تحصیل کے بغیر کسی کو فرزانہ و دانش مند نہ سمجھا جاتا تھا، حاصل کرتا رہا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ علوم دین اور فلسفہ و دانش کے علاوہ، جو اس زمانے کے اہلِ اسلام میں رائج تھے، حکیم نے توریت و انجیل اور تمام مقدس مذہبی کتابوں کا بھی گہرا مطالعہ کیا اور اتنا کمال بہم پہنچایا کہ فضلائے یہود و مسیحی اپنی مذہبی کتابوں کا درس حکیم سے لیا کرتے تھے جو کچھ خود حکیم کے کلام اور اس کے سفرنامے سے مستفاد ہوتا ہے اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ عبرانی زبان اور رسم الخط سے واقف تھا کیوں کہ فلسطین کا تذکرہ کرتے ہوئے اس نے بعض ایسے کتبوں کی تشریح کی ہے جو عبرانی زبان میں لکھے ہوئے تھے۔

دربار میں توسل القصہ، کمالاتِ علمی میں پوری دستگاہ حاصل کر لینے کے بعد وہ لوگوں کو درس دیتا رہا۔ اپنے درس میں وہ دقیق فلسفیانہ مسئلوں اور نکات مغلقات کی توضیح و تفسیر کرتا تھا۔ یہاں تک کہ کسی تقریب سے بلخ سے نکل کر مرو شاہجہان میں آیا جو ان دنوں روسی حکومت کے زیر نگیں ہے۔ آج کل مرو اگرچہ تاتار کی مطلق العنان حکومت میں سمجھا جاتا ہے لیکن اگلے زمانے میں یہ ممالک خراسان کے شہروں میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا اور سلجوقیوں کا پایۂ تخت تھا سلاطینِ عجم اور اسلامی سلطنت کے زمانے میں بہت سے علما و فضلا اس شہر میں پیدا ہوئے۔ بہر حال ناصر خسرو، مرو میں بہت مشہور ہوا۔ اُس عہد میں طغرل بک سلجوقی نشاپور میں اور اس کا چھوٹا بھائی جغر بک مرو میں مسندِ حکومت پر متمکن تھے۔ امیر ناصر کو جغر بک کی خدمت میں قربت اور اختصاص حاصل ہو گیا اور وہ حکومت کے دبیروں میں شامل کر لیا گیا۔ جیسا کہ خود اپنے سفرنامے میں اُس نے لکھا ہے کہ وہ سلطنت کے اعمال اور اموال نیز مہماتِ دیوانی میں دخیل تھا۔

تاریخ تمدنِ اہلِ اسلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے زمانے میں جو لوگ "فلاسفۂ اسلام" کے لقب سے مشہور ہوتے سب کے سب ترک و تجرید کے عالم میں زندگی بسر کرتے تھے اور سلاطین و ملوک

کی خدمت میں ہرگز مصروف نہ ہوتے تھے۔ ان فلاسفہ میں جس شخص نے سب سے پہلے سلاطین وملوک کی خدمت کو اپنا شعار بنایا وہ شیخ الرئیس ابو علی ابن سینا تھا جس کی زندگی کا بڑا حصہ آل بویہ کی وزارت میں گزرا۔ صاحب روضۃ الصفا لکھتا ہے:

"بعد از شیخ الرئیس اکثرے از حکمائی اسلام کہ ملازمت حکام وارباب فرمان اختیار کردند ہمہ اقتدا بہ شیخ کردہ اند"	شیخ الرئیس کے بعد فلاسفۂ اسلام کی اکثریت میں جس نے بھی کسی حاکم یا فرماں روا کی ملازمت کی، انھوں نے شیخ ہی کی پیروی کی۔

چوں کہ شیخ ابو علی[1] اور ناصر خسرو کی اصل بلخ ہی سے تھی اور شیخ کو آل بویہ کی وزارت کے زمانے میں جو عروجِ جاہ وحشمت نصیب ہوا، اس کا شہرہ ناصر نے اپنے دورۂ شباب میں سُنا ہوگا[2] اور ناصر خسرو نے یقین کے ساتھ یہ جانا ہوگا کہ شیخ کو جو شہرت اور جاہ وحشمت نصیب ہوئی یہ صرف قربِ سلاطین کے سبب ہوئی ہے، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ان اسباب نے خسرو کو بھی آل سلجوق کی خدمت کرنے کی ترغیب دلائی اور گوشۂ عزلت سے نکال کر دار السلطنت مرو میں کھینچ بلایا۔

ترکِ خدمت | اگرچہ ناصر خسرو کو چغر بک کی ملازمت سے علیحدہ ہونے میں زیادہ عرصہ نہیں لگا جیسا کہ ہم آیندہ بیان کریں گے۔ اور پھر کبھی اس نے ملازمت کی سوچی بھی نہیں لیکن اس کا بھائی خواجہ ابو الفتح عبد الجلیل طغرل بک کے عہد میں اور اس کا لڑکا خواجہ معین الدین ملک شاہ سلجوقی کے زمانے میں مدتِ دراز تک دیوان کے ملازم اور "معتمدِ درگاہ" رہے۔

اسی طرح ۴۳۷ھ تک کہ اس وقت ناصر خسرو کی عمر ۴۲ سال ہوئی تھی، وہ چغر بک کی ملازمت میں رہا یہاں تک کہ سفرِ حجاز کے ارادے نے اُسے ملازمت چھوڑنے پر اُبھارا جس کا ذکر اپنے سفرنامے میں حکیم نے کیا ہے۔ اب اس نے سرکاری کاموں کے اشغال سے پوری طرح کنارہ کشی کرلی اور جاہ

---

[1] ابو علی کا باپ بلخ کے حاکموں میں سے تھا اور نوح سامانی سلطنت کے زمانے میں بخارا کی طرف چلا گیا تھا وہیں ۳۷۰ھ میں ابو علی کی پیدائش ہوئی۔ [2] ناصر خسرو کی ولادت شیخ کی پیدائش سے اکیس سال بعد ہوئی اور جب شیخ کا وصال ہوا ہے تو ناصر خسرو ۳۳ سال کا تھا۔ حالی

وحشمت کے تمام سازوسامان تیاگ دیئے۔ اپنے چھوٹے بھائی ابوسعید اور ایک غلام کو ساتھ لے کر سفر کے لئے نکلا، اس سفر کی روداد اس نے سفرنامے میں لکھی ہے۔ وہ خراسان، عراق عجم، اور آذربائیجان کے شہروں میں ہوتا ہوا، آرمینیہ پہنچا۔ وہاں سے شام وفلسطین اور عراق وعرب کو عبور کرتا ہوا حج کے زمانے میں مکہ محترمہ میں وارد ہوا۔ حج سے فارغ ہو کر مصر گیا۔ تقریباً تین سال تک وہاں قیام کیا۔ مصر میں اقامت کے زمانے میں دو مرتبہ حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ منورہ جناب رسالت مآبؐ (شرفہما اللہ تشریفاً) کے لئے حجاز آیا اور یہاں سے پھر مصر کو مراجعت کی۔ روضۃ الصفا، حبیب السیر اور دبستان المذاہب میں لکھا ہے کہ سات سال تک مصر میں مقیم رہا اور ہر سال حج کو جاتا تھا لیکن سفرنامے کی تصریح اس بیان کی تکذیب کرتی ہے۔

اُن دنوں مستنصر باللہ فاطمی عبیدی جو خلفائے فاطمیہ میں مشہور ترین خلیفہ ہوا ہے اور ساٹھ سال تک مسندِ خلافت پر متمکن رہا، مصر میں حکومت کرتا تھا۔ سفرنامہ سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حکیم کی دوستی سلطنتِ مصر کے ارکان میں کسی سے ہو گئی تھی اُسی کی وساطت سے وہ قصرِ خلافت میں پہنچا، وہاں کی عمارتیں، دربار اور ایوان کا مشاہدہ کیا۔ لیکن یہ تذکرہ حکیم نے کہیں نہیں کیا کہ وہ امیر المؤمنین مستنصر باللہ کے دربار میں بھی باریاب ہوا کہ نہیں لیکن قرائنِ صادقہ کی شہادتوں سے مکشوف ہوتا ہے اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مستنصر نے اس کے ساتھ بہت مراعات کیں اور اپنی محبت وعقیدت اس کے دل میں پیدا کر دی تھی۔ (باقی)

اُردو کے عظیم المرتبت شاعر میر محمد تقی میرؔ کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے، دلچسپ، عبرت انگیز، اور حیرت آمیز واقعات

میر کی آپ بیتی

میں ملاحظہ فرمائیے

اسے معروف نقاد نثار احمد فاروقی نے اصل فارسی کتاب سے ترجمہ کیا ہے اور جا بجا ضروری معلومات حواشی میں لکھ دی ہیں۔

ترجمہ و تالیف کے حسن کا اعتراف تمام مقتدر علمی جریدوں اور عالموں نے کیا ہے۔

طباعت اعلیٰ۔ کتابت عمدہ۔ کاغذ نفیس۔ گٹ اپ شان دار، مکتبہ برہان دہلی سے ۸/۲ میں طلب فرمائیے۔